ظُلُمٰت ثَلٰث کی لطیف تشریح: رسول کریم ﷺ وہ سورج ہیں جنہوں نے تمام پردے ہٹا کر اندر کی راہ دکھائی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات قرآنیہ تلاوت کیں:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ
مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ
حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴۰ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ
يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝۴۱ (النور: ۴۰ تا ۴۱)
خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ
مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا
مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ
الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۷ (الزمر: ۷)

فرمایا:

گزشتہ جمعہ پر میں نے کچھ حجابات کا ذکر کیا تھا کہ انسان اپنی زندگی مختلف قسم کے پردوں

میں بسر کر کے ضائع کر دیتا ہے میرے ذہن میں اس وقت قرآن کریم کی یہ چند آیات تھیں جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اور خیال تھا کہ وقت ہوتا تو میں ان حجابات، ان پردوں سے متعلق کچھ مزید وضاحت کرتا لیکن ایک ہی خطبے میں چونکہ یہ ممکن نہیں تھا اس لئے میں نے اس مضمون کو آج کے اس خطبے کے لئے بچا رکھا۔

یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں سے پہلی دو آیات سورۃ النور کی ہیں۔ چالیس اور اکتالیس اور دوسری آیت سورۃ الزمر کی ساتویں آیت ہے پہلی آیات میں قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسے سراب کی سی ہے جو بِقِيْعَةٍ یعنی ایک کھلے چٹیل میدان میں پیدا ہوتا ہے۔ پیاسا اس کو پانی تصور کرتا ہے اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا یہاں تک کہ جب اس کی طرف سعی کرتا ہوا اس کی طرف دوڑتا ہوا اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں وہ پانی سمجھ رہا تھا کہ پانی واقعہ ہے تو وہاں کچھ بھی نہیں پاتا۔

وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ ہاں خدا کو اس جگہ پاتا ہے۔ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ اور وہ اس کو اُس کا پورا پورا حساب دیتا ہے۔ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ یا ان اندھیروں کی طرح فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ جو ایک بڑے ہی پُر جوش گہرے سمندر میں پیدا ہوتے ہیں يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ ان کو موج کے بعد ایک اور موج ڈھانپ لیتی ہے۔ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ اور اس کے اوپر بادلوں کا سایہ ہوتا ہے یعنی سورج کی روشنی بھی براہ راست اس سمندر تک نہیں پہنچتی ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ یہ ایسے اندھیرے ہیں کہ ایک کے اوپر دوسرے اندھیروں کی لہریں ہیں، دوسرے اندھیروں کے سائے اور پردے ہیں اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا اور ظلمت اتنی گہری ہوتی ہے کہ اگر وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر اپنا ہاتھ دیکھنا چاہے تو اسے بھی دیکھ نہ سکے۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا جس کے لئے خدا تعالیٰ نور پیدا نہ فرمائے فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔

ان آیات سے ملتے جلتے مضامین ایک دوسری آیت میں بیان ہوئے ہیں اور جس طرح یہاں بھی تین اندھیروں کا ذکر ہے وہاں بھی تین اندھیروں کا ذکر ہے لیکن وہ مضمون بظاہر اس سے بالکل الگ مقام پر واقعہ ہے اور سرسری نظر سے ان دونوں کا تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ دوسری آیت یعنی

سورہ الزمر کی ساتویں آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ تمہیں خدا نے ایک ہی جان سے پیدا فرمایا۔ پھر اسی جان سے تمہارا جوڑا بھی بنایا اور تمہارے لئے آٹھ جوڑے انعام میں سے پیدا فرمائے یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش کی صورت میں فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ تین اندھیروں میں، ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ ہے تمہارا رب لَهُ الْمُلْكُ وہی مالک ہے اسی کے لئے بادشاہت ہے۔اسی کی ہر چیز ملکیت ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ پھر تم کہاں الٹے پھر رہے ہو، کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو۔کس طرف لوٹ کر جاؤ گے خدا سے ہٹ کر۔

یہاں دوسرے حصے میں تو تین اندھیروں کا ذکر تین کہہ کر فرمایا اور پہلی آیات میں تین اندھیرے بیان فرمائے لیکن لفظ تین وہاں بیان نہیں فرمایا۔ان دونوں کو اگر آپ غور سے پڑھیں تو ایک آیت کے مضمون سے دوسری آیات کے مضمون کو سمجھنے میں بڑی سہولت ملتی ہے، آسانی پیدا ہو جاتی ہے لیکن سب سے پہلے میں یہ دوسری آیت جو بعد میں پڑھی ہے اس کے متعلق کچھ کہتا ہوں۔قرآن کریم نے ماں کے پیٹ میں بچے کا اندھیروں میں پیدا ہونے کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے مختلف مفسرین نے مختلف اندھیروں کے متعلق کچھ بیان کیا ہے لیکن اس سے مراد صرف وہ ظاہری اندھیرے نہیں ہیں جو ماں کے پیٹ میں تہہ بہ تہہ پائے جاتے ہیں بلکہ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ میں ایک اور مضمون بیان فرمایا اور وہ انسانی زندگی کے ارتقاء کا مضمون ہے۔ انسانی زندگی تین بڑے ادوار میں ارتقاء پذیر ہوئی ہے ایک وہ جو قرآن کریم کے بیان کے مطابق نَبَاتًا کا دور تھا۔خدا فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں نبات کی طرح اگایا۔یعنی جب انسان ابھی نباتاتی دور میں تھا اور حیوانی زندگی میں داخل نہیں ہوا تھا۔دوسرا دور ہے حیوانی زندگی کا دور، اور تیسرا ارتقاء ہے انسانی زندگی کا ارتقاء اور جب تک خدا تعالیٰ نے اپنی روح آدم میں نہیں پھونکی باوجود اس کے کہ اس سے پہلے آدم پیدا ہو چکا تھا اسے نور نصیب نہیں ہوا اور مذہب کے آغاز سے قبل کی انسانی زندگی بھی اندھیروں میں بسر ہو رہی تھی۔پس دراصل تو یہ ایک بہت ہی گہرا اور لمبا وسیع مضمون ہے جس میں خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ کہہ کہ ہمیں توجہ دلائی گئی کہ جن اندھیروں کا ہم بنیادی طور پر ذکر کر رہے ہیں یہ تمام زندگی کے ہر دور پر پھیلے

پڑے ہیں اور تین ادوار میں بٹے ہوئے ہیں۔ان پر غور کرو گے تو اس سے تمہیں بہت سی روشنی نصیب ہوگی اور تمہیں یہ علم ہو جائے گا کہ جب تک خدا کی طرف سے انسان پر آسمان سے نور نازل نہیں ہوا اس سے پہلے کی تمام زندگی کلیۃً بے معنی اور بے حقیقت اور اندھیروں میں بسر ہونے والی زندگی تھی۔

اس کا دوسرا معنی ظاہری طور پر یہ ہے کہ ماں کا ایک جسم ہے جس نے رحم کو گھیرا ہوا ہے اور ماں کا رحم خود ایک پردہ ہے لیکن اس جسم کی دبیز تہہ کے اندر چھپا ہوا ہے اور باہر کی دنیا سے رحم کا تعلق کاٹ دیتا ہے پھر رحم خود ایک پردہ ہے جو اس Plasenta اور جسم کے درمیان حائل ہے جس کے اندر بچہ بنتا ہے۔Plasenta اس تھیلی کو کہا جاتا ہے جس کے اندر بچے کی پرورش ہوتی ہے وہ براہ راست رحم میں پرورش نہیں پاتا بلکہ اس کا ایک حصہ رحم سے پیوستہ ہو کر رحم کی وساطت سے ماں سے فیض پا رہا ہوتا ہے اور پھر تیسرا پردہ اس Plasenta کا ہے اس Plasenta کے اندر بچہ بہت سے بداثرات سے محفوظ رہتا ہے جو رحم سے براہ راست اس کو پہنچ سکتے تھے اور یہ ایک بہت ہی دلچسپ نیا مضمون ہے جس پر سائنس آج کل بہت تحقیق کر رہی ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے بچے کو خود اس کی ماں کے جسم اور رحم سے محفوظ رکھا ہوا ہے اور کیوں Plasenta میں لپیٹا ہوا ہے لیکن جہاں تک پردے کا تعلق ہے یہ بہر حال پردہ ہے۔ان تین پردوں کے اندر بچے کی زندگی تمام نوروں سے براہ راست تعلق نہیں رکھتی بلکہ بالواسطہ تعلق رکھتی ہے اور کٹی رہتی ہے۔رحم کے اندر Plasenta کے اندر جو بچہ ہے وہ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ (البقرہ:۱۹) کی کیفیت رکھتا ہے نہ وہ براہ راست سن سکتا ہے نہ بول سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور کلیۃً تین اندھیروں میں لپٹا ہوا پڑا ہے۔ماں جو فیض اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دنیا سے پاتی ہے وہ فیض رحم میں منتقل ہوتا ہے۔رحم جو فیض Plasenta کو بخشتا ہے اس سے بچہ فیض پاتا ہے اور ہر طرف سے وہ لینے والا ہے عطا کرنے والا نہیں یعنی یہ وہ زندگی ہے کہ جو چیز تین اندھیروں میں لپٹی ہوئی ہے اس کی آخری شکل یہ بنتی ہے کہ وہ ہر طرف سے فیض پا رہی ہے اور فیض دے نہیں سکتی اور براہ راست کچھ بھی کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔نہ سن سکتی ہے نہ دیکھ سکتی ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ کی سی کیفیت ہے۔پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ایسی صورت میں اس میں اپنی روح پھونکتے ہیں اور جب روح پھونکتے ہیں تو وہ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا (الدھر:۳) بن جاتا ہے۔

جہاں تک سائنسی تحقیق کا تعلق ہے غالباً چوتھے یا پانچویں مہینے کے درمیان ایسا واقعہ ہوتا ہے کہ اچانک بچے میں زندگی پڑ جاتی ہے۔ آج کل تمام دنیا میں Abortion کے متعلق جو بحثیں ہو رہی ہیں کہ کس حد تک اسقاط حمل وقت سے پہلے کرنا جائز ہے یا نہیں ہے۔ اسقاط حمل کس حد تک جائز ہے اور کب جائز ہے؟ تو آخری رجحان جو ہے وہ یہی ہے کہ جب تک بچے میں زندگی نہ پڑے اس وقت تک کوئی بڑی اخلاقی روک اسقاطِ حمل کی راہ میں حائل نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن جب زندگی پڑ جائے تو اس کے بعد اس کا اپنا ایک الگ وجود بن جاتا ہے پھر جب تک ڈاکٹری یا طبی رائے کے مطابق ماں کو خطرہ درپیش نہ ہو اس وقت تک بچے کو گرانا مناسب نہیں یا جائز نہیں۔ تو یہ وہ موقع ہے جسے ہم ''نفخ روح'' کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بچے میں، جنین میں روح پھونکی جاتی ہے وہ دوسرے اندھیرے جن کا اسی آیت میں ذکر ہے جو انسانی زندگی کے ارتقاء پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں بھی یہی بات اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جب تک ہم نے آدم کو ٹھیک ٹھاک کر کے یعنی بنا لیا، درست کر لیا، جب تک اس میں روح نہیں پھونکی فرشتوں کو اس کی اطاعت کا حکم نہیں دیا۔ جب ہم نے اس میں روح پھونکی تو پھر ایک خلق آخر بن گیا۔ ایک نئے وجود کے طور پر وہ ظاہر ہوا۔

پس دونوں اندھیروں کو روشنی میں تبدیل کرنے کے لئے ''نفخ روح'' کی ضرورت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذاتی طور پر ایک الہامی کیفیت کے نازل ہونے کی ضرورت ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کس قسم کی ہے بچے کی صورت میں لیکن لازماً ایک حکم آتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اس سوال کے جواب میں کہ روح کیا چیز ہے؟ فرمایا: کہہ دے کہ یہ اَمۡرِ رَبِّیۡ (بنی اسرائیل:۸۶) ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت بیان نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہ امر نازل نہ ہو اس وقت تک کوئی چیز زندہ نہیں ہو سکتی تو یہ جو اندھیرے ہیں ان میں سب سے زیادہ خطرناک اندھیرا وہ آخری ہے جس میں انسان کچھ بھی باہر سے براہ راست حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ دیکھنے کی، نہ سننے کی طاقت، نہ بولنے کی، کلیۃً ایک دوسرے کے فیض پر انحصار پانے والی زندگی بسر کر رہا ہے جب خدا تعالیٰ کی طرف سے نفخ روح ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہی بچہ اچانک تم دیکھتے ہو کہ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا (الدھر:۳) ہو جاتا ہے۔ سننے والا اور دیکھنے والا بن جاتا ہے۔

یہاں بولنے کا ذکر نہیں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ بولنے کا انحصار دراصل سننے پر ہے اور باہر

کی دنیا سے فیض پانے کے دراصل دو رستے ہیں۔سننا اور دیکھنا۔ یہی سب سے اہم رستے ہیں۔ بولنا ان کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اس لئے دراصل بولنے کا لفظ ان کے اندر شامل ہے تو چونکہ پیدائش کے معاً بعد بچہ بولنے نہیں لگتا۔لیکن فوراً دیکھنے اور سننے لگ جاتا ہے اس لئے قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کا یہ بھی کمال ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ وہ اچانک بولنے لگ جاتا ہے۔بلکہ فرمایا کہ وہ دیکھنے اور سننے لگ جاتا ہے یعنی بولنے کے لئے تیاری شروع ہو جاتی ہے اور جو علم وہ پاتا ہے اس کے بیان کی قدرت پھر اس کو ان ہی دو ذریعوں سے نصیب ہوتی ہے۔تو یہ تین اندھیرے ہیں جو بہت اختصار کے ساتھ میں نے بیان کئے اور جو ماں کے اندر بچے کی مثال کے ذریعے ہم پر واضح فرمائے گئے۔

اب ہم پہلی دو آیات کی طرف آتے ہیں کہ ان میں کیا مضمون بیان ہوا ہے اور وہ اندھیرے ہماری زندگی پر کس طرح اطلاق پاتے ہیں اور ہیں کیا؟ پہلی آیت میں تو ایسے کفار کی مثال دی گئی ہے جو کلیۃً مذہب سے بے تعلق اور خالصۃً دنیا دار ہیں۔ان کو نہ خدا کا کچھ پتا،نہ کسی مذہب کا پتا،ان کی زندگی یہی دنیا اور اسی کی لذات کی پیروی ہے اور اس کے سوا ان کے لئے اور کچھ بھی نہیں۔تمام کائنات گویا کہ ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔صرف وہ چیزیں معنی اختیار کر جاتی ہیں جو ان کو لذت دینے میں کسی طرح ممد بنتی ہیں یا براہ راست ان کو لذت پہنچاتی ہیں۔

پس ان کی ساری زندگی لذتوں کی پیروی میں بسر ہو جاتی ہے اور جو لذتیں انہوں نے اپنے تصور سے،اپنے ذہن کے نقشے میں ایسی بنائی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان کو حاصل کرنے کے بعد ان کی پیاس بجھ جائے گی،ان کو چین نصیب ہو جائے گا۔ بلا استثناء جب بھی یہ ان لذتوں کو حاصل کرتے ہیں تو وہ پیاس بجھانے میں کامیاب نہیں ہوتیں بلکہ ایک اور پیاس بھڑکا دیتی ہیں اور سراب کی طرح آگے آگے بھاگتی رہتی ہیں یہاں تک کہ آخری وقت پہنچ جاتا ہے۔چنانچہ قرآن کریم نے اس لمبے سفر کو مختصراً یوں بیان فرمادیا کہ سراب کی طرح ان کے اعمال ہیں اور سراب کے متعلق ہم سب جانتے ہیں کہ پیاسا صرف ایک مقام کو نظر میں رکھ کر وہاں تک نہیں پہنچا کرتا بلکہ سراب اس سے آگے بھاگتا رہتا ہے اور وہ اس کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے یہاں تک کہ موت کا وقت آجائے۔

پس قرآن کریم نے اس لمبے مضمون کو اس طرح مختصر کر دیا کہ آغاز سفر اور مقصد سفر بیان فرما دیا اور پھر انجام سفر بیان فرمادیا۔فرمایا کہ پھر تم جانتے ہی ہو کہ اسے کوئی پانی نہیں ملتا اور اس کا زندگی کا

آخری حساب پیاس کی حالت میں مرنا ہے۔ اگرچہ یہ سفر بہت لمبا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اللہ تعالیٰ بہت تیز حساب کرنے والا ہے۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی بعض دفعہ لمبی زندگیاں جو دنیا کی لذتوں کے حصول میں صرف ہو جاتی ہیں اور اس وقت حساب نہیں ہوتا تو اس سے ایک تو ہمیں یہ سمجھ آئی کہ سَرِیْعُ الْحِسَابِ کا وہ مطلب نہیں ہے جو ہم سمجھتے ہیں کہ ابھی گناہ کیا اور ابھی پکڑا گیا۔ کیونکہ سراب کی پیروی کرنے والا جب تک سراب تک نہ پہنچ جائے یعنی اس مقام تک جس کے بعد آگے سفر ختم ہو جاتا ہے تو اس وقت تک اس کا حساب پورا چکایا نہیں جاتا لیکن دوسرا مضمون اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ اگرچہ آخری حساب سفر کے آخر پر چکایا جاتا ہے لیکن ایک مسلسل حساب ہے جو ساتھ کے ساتھ جاری ہے اور ان معنوں میں اللہ تعالیٰ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ہے یعنی یہ نہ سمجھیں کہ جب وہ موت کے آخری کنارے پر پہنچ کر پیاس سے مر رہا ہے تو اس وقت اس پر سَرِیْعُ الْحِسَابِ ظاہر ہوا ہے۔ بلکہ پیاسا جب پانی کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے اور پانی سمجھ کر ایک چٹیل میدان کی طرف بھاگ رہا ہوتا ہے تو اس کا ہر قدم اس کا حساب چکا رہا ہوتا ہے:

ے ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے (دیوان غالب:۲۹۴)

غالب نے جو یہ مضمون بیان فرمایا ہے اس سے آپ کو سَرِیْعُ الْحِسَابِ سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے گی۔ پس سراب ہی کا نقشہ ہے جو غالب نے کھینچا ہے کہتا ہے:

ع ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے

مجھ سے دوری منزل اس وقت ظاہر نہیں ہوتی جب میں آخر پر پہنچتا ہوں اور کچھ نہیں پاتا بلکہ ہر قدم پہلے سے زیادہ دوبھر اور مشکل ہوتا چلا جاتا ہے اور میری تکلیف کا احساس بڑھتا چلا جاتا ہے آخر پر پھر یہ بات کھلتی ہے کہ میں محض ایک سراب کی پیروی کر رہا تھا اور کچھ بھی نہیں تھا جس کی خاطر میں لاحاصل دوڑا۔ پس سَرِیْعُ الْحِسَابِ کا ایک تو ہمیں یہ اشارہ مل گیا کہ بہت سی باتوں میں خدا تعالیٰ کے سَرِیْعُ الْحِسَابِ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ادھر گناہ کیا ادھر پکڑے گئے۔ لیکن جھوٹی لذتوں کی پیروی کرنے والوں کے لئے سَرِیْعُ الْحِسَابِ کا یہ بھی معنی ہے کہ ہمیشہ ایک محرومی

کا احساس ہے جو ان کے ساتھ لگا رہتا ہے جو ان کی جان کو کریدتا رہتا ہے اور کبھی بھی وہ تسکین قلب و جاں پا نہیں سکتے۔

اس کے بعد پھر ان ظلمات کا ذکر فرمایا جن کی خاطر میں نے ان آیات کی تلاوت کی یعنی وہ بیان کرنا مقصود تھیں۔ فرمایا: فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ سراب کی زندگی سے مراد خالص دنیاداری کی زندگی ہے اور قرآن کریم کے محاورے سے پتا چلتا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:۴۲) یعنی خشکی میں بھی فساد ہو گیا اور بحر میں بھی فساد ہو گیا۔ خشکی کا فساد ان دنیاداروں کا فساد ہے جو مذہب سے بے تعلق ہوتے ہیں اور تری کا فساد وہ فساد جو مذاہب میں برپا ہو جاتا ہے مذاہب میں پیدا ہوتا ہے اور ان کو گندا کر دیتا ہے اور روشنیوں کو اندھیرے میں بدل دیتا ہے۔ یہ وہ مذاہب ہیں جو کبھی خدا کی طرف سے تھے لیکن بعد میں بندوں نے اپنا تعلق خدا کے نور سے کاٹ لیا اور پھر دن بدن ان مذاہب کے اندھیرے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور ان کے نتیجے میں بظاہر مذہبی لوگ ہیں لیکن ان کی ساری زندگی اندھیروں میں صرف ہوتی ہے۔ پس اچانک سراب سے سمندر کی طرف منتقل ہونا اور بظاہر مضمون بدل دینا یہ عجیب قرآن کریم کی شان ہے لیکن ذرا گہری نظر سے آپ دیکھیں تو درحقیقت ایک ہی مضمون کے دو پہلو ہیں اور ان دونوں مضامین کا قرآن کریم کی ایک اور آیت سے تعلق ہے جیسا کہ میں نے آپ کو پڑھ کر سنایا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ پہلا فساد ''بر'' کا تھا جو پہلی آیت میں کھول کر بیان فرمایا گیا اور دوسرا فساد ''بحر'' کا فساد ہے جس کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے تو ایسی صورت میں اندھیروں کی کئی شکلیں ہیں آخری شکل وہی ہے جیسے ماں کے پیٹ میں جنین کی جو Plasenta میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ ایسا مذہبی انسان جو کلیۃً اندھا ہو بظاہر مذہب سے تعلق ہو لیکن سوائے نفسانیت کے اس میں کچھ بھی نہ ہو، مذہب اس کے لئے فیض پہنچانے کا ذریعہ تو ہو۔ مذہب اس کو اس بات پر آمادہ نہ کر سکے کہ دوسروں کو فیض پہنچا سکے گویا خدا اور اس کی ساری کائنات سب کچھ اس کی خاطر قائم ہیں۔ جب تک ان باتوں کا فیض اس تک پہنچتا ہے اس کا تعلق قائم ہے جب فیض بند ہو گیا تو وہ اپنا تعلق توڑ لے گا اور اس کے سوا اس کو کوئی نور بصیرت حاصل نہیں، کوئی سماعت کی طاقت حاصل نہیں۔ ایسے لوگوں کا ذکر قرآن کریم نے اور بھی کئی جگہ فرمایا کہ وہ خدا تعالیٰ سے ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ جب تک

خدا کے دینے کا ہاتھ دیتا رہے ان کا تعلق ہے اگر دینے کا ہاتھ رُک گیا تو وہ آگ کے کنارے پر کھڑے ہیں وہیں گر جائیں گے اور بھسم ہو جائیں گے۔ ان کی زندگی اس بات سے مشروط ہوتی ہے اور یہ صرف براہ راست خدا سے تعلق میں نہیں بلکہ مذہبی جماعتوں سے تعلق میں بھی ان کا یہی طرز فکر ہے جو ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ ایک احمدی ہے اگر نظام جماعت سے اس کو فیض پہنچ رہا ہے تو وہ تعلق رکھ رہا ہے اور جہاں کسی موقعہ پر نظام نے فیض نہیں دیا یا فیض تو وہ دیتا ہے لیکن نظام کے فیض کی تعریف اور ہے اور اس کے فیض کی تعریف اور ہے۔ وہیں وہ کھڑا ہو جائے گا اور الٹ کر دیکھے گا نظریں ملا کر اور اس کی نظروں میں کوئی شرم کوئی حیاء کوئی ادب نہیں ہوگا کہ یہ جماعت ہے، مجھے اس کی ضرورت تھی اور تم لوگ میرے کام نہیں آئے۔ جاؤ جہنم میں، مجھے کوئی ضرورت نہیں، میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ تو ایسے بچے جن کا جنین سے یہ تعلق رہتا ہے ذرا بھی جنین ان کو خوراک دینی بند کر دے تو وہ مر جاتے ہیں۔ اور ظاہری تعلق بھی توڑ لیتے ہیں اور فسادی بن جاتے ہیں۔ اگر وہ زیادہ دیر جسم میں رہیں تو جسم کو بھی گندا کرنا شروع کر دیتے ہیں اس لئے جسم ان کو نکال کے باہر پھینک دیتا ہے۔

پس خدا کو براہ راست مخاطب کر کے یہ کہنے والے لوگ تو کم ہوں گے یعنی مذہبی دنیا میں۔ غیر مذہبی دنیا میں تو ان کو پرواہ ہی کوئی نہیں کہ خدا ہے یا نہیں ہے۔ لیکن نظام جماعت سے یا مذہبی نظام جو بھی ہو اس سے تعلق میں یہ لوگ خواہ وہ عیسائیت ہو یا کوئی اور مذہب ہو۔ ہمیشہ نفسانیت کو اتنا اونچا مقام دیتے ہیں کہ مذہب سے تعلق صرف فیض پانے کا ہے، فیض دینے کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ آپ کو لاکھوں کروڑوں عیسائی بھی ایسے ملیں گے جو فیض کی خاطر عیسائی ہوئے جب تک ان کو Aid ملتی ہے جب تک ان کو فیض پہنچتا رہتا ہے وہ عیسائی بنے رہتے ہیں جہاں وہ فیض ختم ہوا انہوں نے عیسائیت سے تعلق توڑ لیا۔ تو یہ وہ آخری اندھیرا ہے اور اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔ میں نے صرف ایک مثال دی ہے کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہو جائے گا اس کو آپ اپنے طور پر سوچ کر اپنی زندگی کی مختلف حالتوں پر اطلاق کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ جب میں کہتا ہوں اپنی زندگی کی مختلف حالتوں پر تو میری مراد یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ من ذٰلک ہم میں سے ہر ایک اسی حالت میں ہے اور وہ پہچان سکتا ہے کہ میں اسی حالت میں زندگی بسر کر رہا ہوں بلکہ میری مراد یہ ہے کہ ان مثالوں کا سو فی صدی اطلاق نہیں ہوا کرتا ہر انسان پر۔ یہ مثالیں ایسی ہوتی ہیں جو کسی نہ کسی حد تک کسی نہ کسی شخص سے کوئی نہ

کوئی تعلق رکھتی ہیں۔ بعضوں سے زیادہ اور بعضوں سے کم، بعضوں کی حالت میں جنین کی کیفیت بہت تھوڑی ہوتی ہے اور سَمِيْعًا بَصِيْرًا کی کیفیت زیادہ ہوتی ہے۔ بعضوں کی حالت جنین کی کیفیت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ موت کے مشابہ ہوتی ہے۔ لیکن ہم میں سے ہر شخص ان کیفیات سے گزرا ہوا ہے کیونکہ جنین کی مثال میں خدا تعالیٰ نے ایک اور بہت ہی عظیم الشان حکمت کی بات یہ بیان فرمادی ہے کہ جنین میں غور کرو کہ ہم تمہیں کیسے مختلف شکلیں دیتے ہیں اور یہ جو سوال اٹھایا گیا اس نے تمام Evolution، تمام دور ارتقاء کے ہر حصے پر روشنی ڈال دی کیونکہ سائنس دانوں نے یہ دریافت کیا کہ خدا تعالیٰ رحم میں جنین کو ہر اس شکل سے گزارتا ہے جس شکل سے کبھی زندگی گزری ہے اور زندگی کے ہر طبقے کی کوئی نہ کوئی مشابہت بچے کی پیدائش کے آغاز سے لے کر اس کے مکمل ہونے تک ضرور اس کی زندگی کی نشوونما کے کسی حصے میں ملتی ہے۔

پس سلوک کی اعلیٰ سے اعلیٰ راہیں طے کرنیوالا بھی ان باتوں سے واقف ضرور ہوتا ہے خواہ وہ کتنے بلند مقام پر ہو۔ بعضوں کے سفر کامیابی سے طے ہوتے ہیں، ہر ابتلاء سے وہ کامیابی سے گزر جاتے ہیں۔ بعض ٹھوکریں کھا کر آگے بڑھتے ہیں، بعض کچھ دیر اندھیروں میں بسر کر کے پھر خدا سے توفیق پاتے ہیں کہ پردے پھاڑ کر آگے نکلیں۔ مگر آپ اگر اپنے حال پر ان باتوں کو اطلاق کر کے دیکھیں تو یہ مضمون جو جنین والا ہے آپ کے لئے روشنی لے کر آئے گا اور آپ کو اندھیروں سے نکالنے والا بنے گا اور آپ اپنی کیفیتوں کا بہتر تجزیہ کرنے کے اہل بن جائیں گے۔ پس خود غرضی کی انتہاء کا نام جنینی کیفیت ہے جس میں انسان کلیۃً فیض پانے والا ہے اور یہ وہ پردہ ہے جو عقل اور دل اور روحانیت کو بالکل اندھا کر دیا کرتا ہے۔ خود غرضی اور نفسانیت کی آخری شکل وہ ہے جو بڑے سے بڑے عالم کو بھی کلیۃً جاہلانہ حرکتوں پر مجبور کر دیا کرتی ہے۔ بڑے سے بڑے فلسفہ دان، بڑے سے بڑے سیاستدان کو جب خود غرضی کی بیماری لاحق ہو تو جہاں وہ لاحق ہوتی ہے وہاں اس کا اندھا پن ظاہر ہو جاتا ہے وہاں نہ وہ سَمِيْعًا رہتا ہے، نہ بَصِيْرًا رہتا ہے۔ سن بھی نہیں سکتا دیکھ بھی نہیں سکتا۔ اب یہ بھی ایک مثال ہے جو آج کل کے حالات پر صادق آرہی ہے۔ آپ مغربی دنیا کے بڑے بڑے عظیم الشان روشن دماغ تعلیم یافتہ سیاستدانوں کے حال پر غور کریں۔ جہاں خود غرضی لاحق ہوئی وہاں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ فوراً اندھے بھی ہو جاتے ہیں اور بہرے بھی ہو جاتے

ہیں اور جو بولتے ہیں وہ اندھے اور بہروں کی طرح، گونگوں کی طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔ جو شخص اندھا اور بہرا بھی ہو وہ جو بات کرے گا تو گونگا ہوگا اور اول درجے کا گونگا ہوگا۔ وہ سوائے غوغا کے اور شور کے اور اس کو کچھ بھی سمجھ نہیں آسکتی کیونکہ گونگوں کی بھی قسمیں ہیں۔ اکثر تو خدا کے فضل سے دیکھ بھی سکتے ہیں اس لئے وہ ہونٹوں سے اندازے لگا کر بہت کچھ سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ لوگوں کے تاثرات دیکھ کر اندازہ لگالیتے ہیں کہ ان کی آواز کیسی بدزیب ہے اور بدنما ہے اور کیا کیا اس میں کمزوریاں ہیں جو چہروں پر ظاہر ہوتی ہیں۔ تاثرات کی شکل میں تو ایسے گونگے جو ذہین ہوں وہ پھر ایسی آوازیں نہیں نکالتے جس پر لوگ ہنستے ہوں، جس پر لوگ برامناتے ہوں، جن کے بداثرات لوگوں کے چہروں پر ظاہر ہو رہے ہوں لیکن یہ گونگے اور بہرے جو عقل کے گونگے اور بہرے بن جاتے ہیں نہ عقل کی بات سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں۔ ان کی باتیں بالکل شور و غوغا ہیں۔ مکروہ سنائی دینے والی باتیں اور ان کے اندر کوئی مغز نہیں رہتا، کوئی حکمت نہیں رہتی، کوئی بنی نوع انسان کے فائدے کی بات نہیں رہتی۔ تو انسان اندھیروں میں سے ہمیشہ کے لئے نکل کر ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ جہاں روشنی ہی روشنی ہو، یہ سوائے خدا سے تعلق کے نصیب نہیں ہوسکتا اور پھر آگے اس میں بھی درجے ہیں لیکن باقی سب جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی پہلو سے جنین کی کوئی حالت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس مضمون پر غور کر کے اگر آپ اپنی زندگی کا تجزیہ کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرما سکتا ہے کہ آپ اپنے لئے بہتر لائحہ عمل بنا سکیں۔

دوسرے پردے کی مثال جب ہم اس آیت پر چسپاں کرتے ہیں تو وہ ایسے انسان کی سی ہے جو خدا کی نظر میں نہیں رہتا لیکن بندوں کی نظر میں آجاتا ہے اور بندوں کو دیکھنے لگ جاتا ہے اور بندوں کو سننے بھی لگ جاتا ہے۔ اس کے بنی نوع انسان سے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔ وہ جنین کے پردے سے باہر آکر ایک اور قسم کے پردے میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کا ہر فعل دو پہلو رکھتا ہے۔ یا وہ بنی نوع انسان سے خوف کھا رہا ہے اور یا وہ بنی نوع انسان کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ خدا اس کی نظر میں کوئی ایسی اہمیت نہیں رکھتا کہ اپنے افعال کو اور اپنے اعمال کو خدا کی رضا کی خاطر ڈھالے اور خدا کی رضا کے تابع کرے چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو کثرت سے مختلف آیات میں بیان فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ جو نیک عمل کرتے ہیں وہ ریا کی خاطر کرتے ہیں یہاں تک کہ سب

سے بڑا نیک عمل یعنی عبادت اس میں بھی ریا داخل ہو جاتی ہے گویا یہ سمندر کی دونوں موجوں سے باہر تو آ گئے لیکن سحاب کا سایہ ابھی ان کے اوپر پڑا ہوا ہے یعنی سمندر کی موجوں سے باہر بھی آ جائے اور اگر گہرے بادل چھائے ہوئے ہوں تو کچھ سوجھائی نہیں دیتا تو ان کا جو کچھ بھی تھوڑا بہت دھندلا نظر آتا ہے اس کا آسمان سے تعلق نہیں ہوتا وہ اپنے ماحول اور چھوٹے سے مختصر دائرے کے ماحول میں دکھائی دینے والی چیزیں ہیں اور انہیں کی خاطر انسان زندہ رہتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (الماعون: ۵ تا ۸) فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ہلاکت ہو مصلیوں کے لئے، یہاں مصلی سے مراد پنجابی والے مصلی نہیں۔ مصلین یعنی نماز پڑھنے والے۔ دیکھیں کلام الٰہی کی شان، نماز پڑھنے والوں پر لعنت ڈال رہا ہے لیکن کون سے نماز پڑھنے والے۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ وہ اپنی نماز کی کنہہ سے غافل ہوتے ہیں۔ اسکی حکمتوں اور اس کی روح سے غافل ہوتے ہیں یعنی نماز کی حکمت اور کنہہ تو یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف انسان کو لے جائے اور خدا کے ساتھ تعلق قائم کر دے اور خدا دکھائی دینے لگے اور خدا کی خاطر نماز پڑھ رہا ہو۔ یہ ہے صلوٰۃ کی حقیقت اور اس کی حکمت۔ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز کی حقیقت سے غافل ہوتے ہیں لیکن خلا تو دنیا میں کوئی نہیں ہے جب ایک حقیقت ایک جگہ کو چھوڑتی ہے تو اس کی جگہ ایک جھوٹی بات اس حقیقت کے خلا کو پر کرنے کے لئے آ جاتی ہے۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ہر فعل انسان کے لئے کوئی مقصد چاہتا ہے، کوئی وجہ ہونی چاہئے کوئی Motive Force کام کرنے کے لئے طاقت کا ذخیرہ ہونا چاہئے فرمایا ان کی Motive Force بدل جاتی ہے۔ خدا کی خاطر نماز نہیں پڑھتے، دکھاوے کی خاطر، بنی نوع انسان کو بتانے کی خاطر کہ ہم کتنے بزرگ ہیں اور داڑھیاں بڑھا لیں گے اور ایسی ایسی جگہوں پر جا کر نماز پڑھیں گے کہ جہاں تصویریں کھینچی جا رہی ہوں، کیمرے تیار ہوں ان کی عبادت کے چرچے کرنے کے لئے اخباروں میں تشہیر ہو رہی ہو کہ فلاں وزیر صاحب فلاں جگہ پہنچے اور فلاں جگہ عید کی نماز انہوں نے سر انجام دی۔ اس قسم کے قصے شروع ہو جاتے ہیں لیکن صرف وزیروں پر موقوف نہیں ہے۔ صرف سیاستدانوں پر موقوف نہیں ہے، زندگی میں بہت سے انسان ایسے ہیں جن

کی تصویریں بھی اخباروں میں نہیں آتیں اور چرچے اخباروں میں نہیں چلتے لیکن ان کی عبادتیں ریا کی وجہ سے بے حقیقت ہو جاتی ہیں یا یوں کہنا چاہئے کہ بے حقیقت ہونے کی وجہ سے ریا کا شکار ہو جاتی ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دکھاتے ہیں تو خدا کو نہیں دوسروں کو اور ڈرتے ہیں کسی کی نظر سے تو بنی نوع انسان کی نظر سے ڈرتے ہیں اور میری نظر سے نہیں ڈرتے تو جس کا تعلق سورج سے نہ رہا ہو اور درمیان میں گہرے بادلوں کے پردے حائل ہوں، نہ سورج اس کو دیکھ سکتا ہے نہ وہ سورج کو کچھ دکھا سکتا ہے تو کیسی حسین مثال دی ہے کہ خدا کے نور سے تعلق کاٹنے والے یہ لوگ پھر دنیا کے نوروں سے تعلق جوڑتے ہیں۔ یعنی دنیا کے نور سے مراد ہے جتنی بھی تھوڑی بہت روشنی دراصل سورج سے بالواسطہ دنیا کو نصیب ہوتی ہے۔ اس روشنی میں وہ زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں اور وہی ان کا ملجا و ماویٰ ہے، وہی ان کی زندگی کا حاصل ہے۔

تو یہ جو دوسرا پردہ ہے یہ بھی بہت خطرناک پردہ ہے اور بنی نوع انسان کی اکثریت خواہ وہ مذہب سے تعلق رکھتی ہو اور خواہ وہ نفسانیت کی آخری حالت سے باہر آ چکی ہو تب بھی اسی حال میں زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے کہ اس کے اکثر نیک اعمال کوئی نہ کوئی بنی نوع انسان کے ساتھ تعلق رکھنے والے مضمرات لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسی مخفی باتیں لئے ہوتے ہیں جن کا تعلق خدا کی ذات سے نہیں ہوتا بلکہ بنی نوع انسان سے ہوتا ہے۔ ان کی خیرات کا بھی زیادہ تر تعلق نفسی اغراض اور ریا کی اغراض سے ہو جاتا ہے۔ یا نفسی اغراض ان معنوں میں کہ وہ دیتے ہیں تا کہ زیادہ ملے وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ (المدثر: ۷) اس مضمون کو پیش نظر رکھ کر قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہرگز اس خیال سے احسان نہ کرو کہ تم زیادہ لے لو اور بعض دفعہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ریا سے تعلق ہوتا ہے وہ اللہ کے لئے نہیں خرچ کرتے بلکہ دنیا کو دکھانے کی خاطر۔ اور یہ صرف دو مقاصد نہیں ہیں ان کے درمیان بہت ہی باریک در باریک یعنی چھوٹی چھوٹی منازل ہیں اور بہت ہی مراتب ہیں جو ان کے درمیان واقعہ ہیں۔ اس لئے جب قرآن کریم بعض بڑی بڑی بنیادی باتوں کا ذکر فرماتا ہے تو یہ نہیں ہے کہ وہ باتیں آپس میں جڑی ہوئی ہوتی ہیں ان کے درمیان چھوٹے چھوٹے فاصلے ہیں اور انسان ایک مقام سے دوسری طرف سفر کرتے ہوئے وقت لیتا ہے لیکن درمیان میں بہت سی منازل حائل ہوتی ہیں کوئی یہاں ٹھہر گیا کوئی وہاں ٹھہر گیا اور بعض لوگوں کی زندگی تمام

تر بنی نوع انسان کے خوف اور بنی نوع انسان کو خوش کرنے کی خاطر مختلف منازل میں گزرتی ہے۔

ان دو باتوں کے درمیان جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مختلف مراتب اور منازل ہیں الگ الگ مقامات ہیں اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ خالصۃً بنی نوع انسان سے ڈرنے والا شخص ہے اور یہ خالصۃً بنی نوع انسان کو راضی کرنے والا شخص ہے بلکہ ہر شخص اپنی اپنی توفیق کے مطابق کسی حال پر قائم ہوتا ہے کہیں بنی نوع انسان کا خوف اس پر اس حد تک غالب ہو جاتا ہے کہ پوری طرح وہ مشرک بن چکا ہوتا ہے اور خدا اور خدا والوں کا کوئی خوف اور کوئی احترام اس کے دل میں باقی نہیں رہتا اور بہت سے آدمی ایسے ہیں جن میں کچھ حصہ خدا کے خوف کا بھی رہتا ہے اور کچھ حصہ بنی نوع انسان کے خوف کا بھی رہتا ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سے فاصلے ہیں۔ مختلف حالتیں ہیں اور ہر انسان اگر غور کرے تو اپنی حالت کا تعین کرسکتا ہے۔ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (القیامہ:۱۶) والی آیت میں جو مضمون قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے یہی ہے کہ تم اپنے نفس پر ”بصیرۃ“ تو ضرور ہو۔ ہم نے تمہیں یہ توفیق بخشی ہے چاہو تو اپنے نفس کا ایسا خوبصورت اور واضح تجزیہ کرلو کہ بعینہٖ معلوم کرلو کہ تم کیا واقع ہو اور تمہاری حالت کہاں ہے کس مقام پر کھڑی ہے لیکن تم عذروں کے چکر میں پڑے رہتے ہو۔ مصیبت یہ ہے کہ اپنے آپ سے بھی اپنے حالات کو چھپاتے ہو اور اندھیروں کی ایسی حالت میں ہو جس کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا کہ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا (النور:۴۱) اگر وہ ہاتھ بڑھا کر اس کو دیکھنا چاہے تو دیکھ نہیں سکتا اور اس نہ دیکھنے میں درحقیقت اس کے اندرونی رجحان کا تعلق ہے ایسے اندھیروں میں بسر کرنے والے خواہ وہ اندھیروں کی کسی قسم میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہوں درحقیقت اپنے گناہوں اور اپنی کمزرویوں سے واقف نہیں ہونا چاہتے اور ان سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ جب وہ دکھائی دینے لگتی ہیں تو اپنی نظر کو دھندلا لیتے ہیں اور اس کمزور طالب علم کی طرح جو امتحان دینے کے بعد سوچتا ہے کہ شاید میرے استاد کی نظر دھندلا گئی ہو اور یہ غلطی اس نے محسوس نہ کی ہو۔ اس طرح وہ ہمیشہ اپنے متعلق یہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور وہ جو نظر دھندلانے کی امید استاد سے رکھتے ہیں اپنی ساری زندگی اپنے حالات کو اسی دھندلائی ہوئی نظر سے دیکھتے چلے جاتے ہیں اور کبھی ان کو خیال نہیں آتا کہ آخری ممتحن ہم نہیں ہیں بلکہ آخری ممتحن تو خدا ہے۔

پس ایک ایسا وقت آئے گا جب تم اس مقام پر پہنچو گے جہاں تمہارا حساب چکایا جائے

گا۔ وہی روشنی میں زندگی بسر کرنے والا ہے جو اس آخری پردے سے بھی باہر ہو یعنی جس کے اوپر سحاب کا پردہ نہ ہو اور سورج سے براہ راست فیض پانے والا ہو۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب خدا نور دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو جس کو چاہے وہ اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ ایسے شخص کا حال یکدفعہ بدل جاتا ہے، اس کے رجحانات کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ وہ سورج سے صرف فیض نہیں پاتا بلکہ سورج کی طرح فیض پہنچانے والا بن جاتا ہے اور تمام عالم کو فیض پہنچاتا ہے اور اس پر یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ آخری اندھیرے میں بھی جو فیض اس کو پہنچ رہا تھا وہ دراصل اسی سورج سے پہنچ رہا تھا۔ یہ وہ عرفان کا آخری مقام ہے جس کے بعد اور باریک تر مقامات ہیں مگر ظاہری نظر کے لحاظ سے یہ وہ آخری مقام ہے جہاں سے پھر نئے طبقات شروع ہو جاتے ہیں گویا کہ تین دور کہہ لیں مقام نہیں کہنا چاہئے۔ یہ آخری دور ہے جس میں انسان داخل ہو جاتا ہے اور پھر نیا نیا نور اس کو ہمیشہ نصیب ہوتا چلا جاتا ہے اس مقام پر آکر جو خدا سے براہ راست فیض پانے لگ جاتے ہیں جو خدا کی نظر میں آجاتے ہیں خدا کو دیکھتے ہیں اور خدا ان کو دیکھتا ہے ان پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ سمندر کے گہرے ترین اندھیروں میں بھی زندگی کی جو بھی شکلیں تھیں، جو بھی توانائی کی صورتیں موجود تھیں وہ تمام کی تمام بالواسطہ سورج سے فیض پانے والی تھیں۔ ایک بھی حالت ایسی نہیں جو قابل ذکر ہو جس نے سورج سے فیض نہ پایا ہو۔ یہ سائنس کا ایک لمبا مضمون ہے اس کو تفصیل سے بتانے کا نہ موقعہ ہے نہ جمعہ میں ایسے لوگ شامل ہوتے ہیں جو ان مضامین کو سمجھ سکیں الا ماشاء اللہ لیکن یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہی آخری صورت ہے جس سے دنیا کا کوئی صاحب فہم انسان جو سائنس سے واقفیت رکھتا ہو انکار نہیں کر سکتا۔ آپ دنیا میں جتنی چیزیں دیکھ رہے ہیں، جتنی حرکت مل رہی ہے جتنی توانائی کی شکلیں ہیں، جتنی زندگی کی شکلیں ہیں، ارتقاء کی جو بھی حالتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ بالآخر کلیۃً سورج سے فیض پانے والی ہیں۔ اس لئے وہ اندھیرے جہاں موج کے بعد موج ڈھاپنے ہوئے ہے۔ وہ مقامات جہاں موج کے بعد موج اندھیرے ڈال رہی ہے اور پھر سحاب بھی اوپر چھایا ہوا ہے۔ وہ مقامات بھی سحاب کے پیچھے چمکنے والے سورج سے فیض یافتہ ہوتے ہیں لیکن ان جاہلوں کو پتا نہیں ہوتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے جب وہ پردہ اٹھتا ہے تو پھر سارا ماحول روشن ہو جاتا ہے، پھر تمام حقیقتیں آشکارہ ہو جاتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ فرماتے ہیں:

ع پردے جو تھے ہٹائے اندر کی راہ دکھائے (درثمین صفحہ:۸۳)

تو دراصل یہی اندر کی راہ ہے۔آنحضرت ﷺ کو بھی خدا تعالیٰ نے ایک سورج کے طور پر ظاہر کیا اس لئے کہ یہ بتایا جائے کہ اس نے مجھ سے تعلق رکھ کے سورج والے رنگ ڈھنگ اختیار کر لئے۔تمام بنی نوع انسان کو فیض پہنچانے والا بن گیا اور وہ لوگ جو اندھیروں میں بھی واقعہ ہیں وہ بھی دراصل اسی کے نور سے فیض یافتہ ہیں۔اس سے ایک اور مضمون ہم پر کھل جاتا ہے لیکن اس کے بھی بیان کا موقعہ نہیں۔حقیقت میں اتنا میں عرض کروں گا کہ اسلامی تعلیم دنیا کے ہر مذہب پر اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ جہاں بھی جس مذہب میں بھی آج کوئی فیض کا مقام ملے گا وہاں آپ کو اسلامی تعلیم کی جھلک ملے گی جہاں نہیں ملے گی وہاں کوئی فیض کا مقام نہیں ملے گا۔

پس اس مختصر بات میں ساری باتیں آجاتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ روشنی کا وہ سورج بن جاتے ہیں جس سے ہم خدا کا فیض پاتے ہیں،خدا کا نور حاصل کرتے ہیں اور وہ سب پردے اٹھا دیتا ہے اور اندر کی راہ دکھا دیتا ہے پس یہ آخری پردہ ہے جسے توڑنے کی کوشش کرنی چاہئے۔آپ اس بات کے اہل نہیں ہو سکتے کہ اپنے اندرونی اندھیروں سے نجات حاصل کریں اور اپنے اوپر چھائے ہوئے پردوں کو خود چاک کر سکیں سوائے اس کے کہ آپ خدا کے ساتھ براہ راست تعلق جوڑ لیں اور خدا کے نور سے نور یافتہ ہو جائیں اور پھر اس کی روشنی کے نتیجے میں سارے پردے اس طرح کھلنے لگیں اور مٹنے لگیں اور زائل ہونے لگیں جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ: جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (بنی اسرائیل:۸۲) جب حق روشن ہو جاتا ہے یعنی خدا کسی بندے پر روشن ہو جاتا ہے تو اس کی ساری ظلمات مٹ جاتی ہیں اور کٹ جاتی ہیں اور سارے پردے باطل ہو جاتے ہیں اور ان کو وہاں ٹھہرنے کی مجال نہیں رہتی پس یہ وہ آخری نور کی حالت ہے جس کی طرف ہمیں ہمیشہ سفر کرتے رہنا چاہئے۔جس کے لئے کوشاں رہنا چاہئے اور جس کے لئے دعا کرتے رہنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

مختصراً میں دو باتوں میں تمام احباب جماعت عالمگیر کا بے حد شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔فیض کا مضمون چل رہا ہے جو خدا سے فیض یافتہ ہوں وہ تمام بنی نوع انسان کو فیض پہنچاتے

ہیں۔ بھائی منور جو میرے بڑے بھائی اور بزرگ تھے ان کی وفات کے بعد تمام دنیا سے اس کثرت سے تعزیت کے بہت ہی درد میں ڈوبے ہوئے، اخلاص سے روشن خطوط ملے ہیں کہ ان کے اوپر اظہار تشکر کی مجھ میں طاقت نہیں ہے لیکن اس کثرت سے آرہے ہیں کہ یہ بھی ممکن نہیں یہاں کے موجودہ سٹاف کی رو سے کہ جیسا کہ میری خواہش تھی کہ ہر ایک کو اس کے مضمون کے مطابق شکریہ کا جواب دوں بلکہ اب تو تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ با قاعدہ ایک تحریر چھپوا کر بھجوانا بھی بہت مشکل ہے اس لئے میں نے سوچا کہ خطبہ کے آخر پر ایسے تمام احباب کا دلی شکریہ ادا کروں۔ ان کا دل یہ ضرور چاہتا ہوگا کہ میں ان کی تحریر پڑھوں اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کے جذبات کا مطالعہ کروں ان کی تحریر کی روشنی میں۔ یہ میں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا ہی کیا ہے۔ ہر شخص کی تحریر کے اندر جو باریک رکابتیں چھپی ہوئی تھیں جو خاص ان کے تجربات تھے جو بھائی مرحوم کے ساتھ ان کی واقفیتیں یا ان کے فیض کا ذکر ہے۔ وہ ساری باتیں میں نے جذب کیں اور ہر شخص کا اس کی حیثیت اور اس کی توفیق کے مطابق شکر گزار ہوا اور اسی کے خط کے مضمون کے مطابق اس کیلئے دعا گو ہوا۔ پس اسی میرے شکریہ کو کافی سمجھا جائے اور اس خطبہ کے ذریعہ میں تمام احباب جماعت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

دوسرا پہلو ہے میری اہلیہ کی اچانک بیماری کا۔ ان کو دل کا دورہ ہوا لیکن چونکہ کچھ کمزوری بھی تھی اور کچھ اور ایسے الجھاؤ تھے بیماری کی شکل میں کہ جس کی وجہ سے طبیب کیلئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ پہچان سکے کہ یہ دل کا دورہ ہے اور اچھے سے اچھا طبیب بھی اس معاملے میں دھوکہ کھا جاتا ہے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ دل کا بے حد شدید حملہ تھا جس سے عموماً انسان جانبر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور چار پانچ دن اسی حالت میں کہ پتا بھی نہیں کہ دل کی تکلیف ہے وہ پھرتی بھی رہیں، میرے سفر کی تیاری بھی کرواتی رہیں اور شدید تکلیف میں رہیں لیکن نہ احساس ہونے دیا کہ کیا ہو رہا ہے، نہ پوری طرح بتایا۔ جب آخر پتا چلا تو ڈاکٹر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے کہا کہ یہ تو نہ ممکن نظر آتا ہے کہ اتنے شدید دل کے حملے کا مریض بچ جائے اور پھر مسلسل سیڑھیاں چڑھ رہا ہے اور اتر رہا ہے، کپڑے پیک کر رہا ہے، سفر کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ تو نا قابل یقین بات ہے لیکن اس کو یہ نہیں پتا کہ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے دعا گو جماعت ہے اور ان کی بیماری کی خبر کے

بعد جو دعائیں ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب تھا وہ دعاؤں سے پہلے بھی بعض دفعہ قبول فرمالیتا ہے اور اس کثرت سے احباب جماعت کے خطوط ملے ہیں اس قدر درد سے بلک بلک کے احباب نے، ساری دنیا میں دعائیں کی ہیں کہ یہ ناممکن تھا کہ ان کا فیض نہ پہنچتا۔ پس یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو خدا سے براہ راست نور یافتہ ہوں خدا سے براہ راست فیض یافتہ ہوں۔ وہ بھی سورج بن کر ابھرتے ہیں اور تمام عالم میں ان کا فیض پہنچتا ہے۔ اس لئے اگر فجی ہو یا امریکہ ہو یا افریقہ ہو یا پاکستان یا ہندوستان، کہیں بھی کوئی احمدی ہے اس کی دردناک دعاؤں کا فیض میں نے خود دیکھا ہے، ہم تک پہنچتا رہا اور آخری شکل یہ ہے کہ جو ماہرین نے دیکھا ان میں سے ایک نے ہمارے ایک احمدی ماہر قلب کو امریکہ فون پر بات کرتے ہوئے کہا کہ میں خلاصۃً تو صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ معجزہ ہے۔ اس کے سوا ہمیں کچھ سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا واقعہ ہو گیا کیونکہ جس بیماری میں بظاہر مرنا یقینی تھا اس بیماری سے نہ صرف شفا ملی بلکہ اس کے بعد مسلسل اس بیماری کو چیلنج کیا گیا کہ آؤ مار کے دکھاؤ اور پھر بھی اس بیماری کو توفیق نہیں ملی مارنے کی اور پھر شفا اس نوعیت کی ہوئی کہ ماہر قلب نے مجھے خود بتایا کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا ہوا ہے بیماری کا کوئی بد اثر جو زندگی بھر دل کے ساتھ چمٹ جایا کرتا ہے وہ ان کی صورت میں نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر احتیاط کی جائے ابھی تو وقت لگے گا تین مہینے ابھی اس زخم کو مندمل ہونے میں لگیں گے جو کافی بڑے حصے پر واقع ہے۔ وہ کہتے ہیں احتیاط تو لازمی ہے لیکن اب تک جو صورت حال ابھری ہے وہ یہی ہے کہ اس کی ان پیچیدگیوں سے اللہ تعالیٰ نے بچالیا ہے جو بالعموم ایسے مریضوں کو لاحق ہو جایا کرتی ہیں۔

اس ضمن میں ایک چھوٹا سا ایک واقعہ دلچسپ سا سنا دوں اور اس سے اندازہ ہو جاتا ہے انسان کو کہ بعض دفعہ ضروری نہیں کہ الہام ہو لیکن ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ جو خدا کی طرف سے پیغام بن جاتے ہیں اور انسان اس کو پیغام کے طور پر سمجھ لیتا ہے اور اس کی پہچان کے بھی واضح نشانات ہوا کرتے ہیں جس وقت ان کی بیماری نے ایک شدت اختیار کی اور ڈاکٹر نے بالآخر ہمیں بتایا کہ دل کا شدید حملہ ہے اور Complete Heart Failure میں جا چکی ہیں اس وقت دعا کے بعد میں لیٹا تو میں نے ٹیلی ویژن خبروں کیلئے آن کیا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس چینل پر خبروں کی بجائے پنجابی کی ایک قوالی آرہی تھی یہاں انگلستان میں اور وہ قوالی یہ تھی، مجھے لفظ تو پورے یاد نہیں، کہ

جنوں سائیاں رکھے انوں نہ مارے کوئی، جس کو سائیں نے رکھنے کا فیصلہ کیا ہے اس کو کوئی مار نہیں سکتا اور قوالوں کی طرح اسی مصرعہ پر اٹکا ہوا تھا، یہی گائے جا رہا تھا۔ اچانک مجھ کو یہ خیال آیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ میری دعا کا جواب دے رہا ہے۔ یہ مریض وہ ہے جس کو پوری مارنے کی کوشش کی گئی مگر خدا نے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ نہیں مارنے دینا اس لئے تم لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔ جو مرضی کر لو خدا نے نہیں مرنے دینا اس مریض کو۔ اب یہ دل کا تأثر ہو سکتا تھا لیکن اسی شام جب میں ہسپتال بیوی سے ملنے گیا تو انہوں نے عجیب بات بتائی کہ اس ہسپتال میں نہ کوئی گانے، نہ شور، نہ ٹیلی ویژن Intensive Care ہے دل کی آواز بھی باہر سے نہیں آتی۔ جس وقت Ecg ہو رہی تھی اس وقت اچانک کہیں سے ایک ٹیلی ویژن آن ہوا ہو گا یا ریڈیو، یہ آواز آ رہی تھی بار بار پنجابی گانے کی کہ ''جنوں سائیاں رکھے انوں نہ مارے کوئی''۔ اب اس ہسپتال میں میں بار بار گیا ہوں، میں نے ایک دفعہ بھی نہ ریڈیو کی آواز سنی نہ ٹیلی ویژن کی آواز سنی اور Intensive Care میں ویسے بھی نہیں پہنچا کرتی آوازیں لیکن یہ خدا نے بتانا تھا کہ یہ بھی ایک الہام کی قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کی آوازوں کے ذریعے جو عام قانون میں جاری ہیں ایک پیغام پہنچا دیتا ہے اور اسے تقویت دینے کی خاطر اس اعجازی رنگ میں اس کو دہراتا ہے کہ انسان کے لئے شک کی گنجائش نہ رہے اور پھر جو بعد واقعات ہیں شفا کے جو بیان کئے ہیں ثابت کرتے ہیں کہ یہی خدا کا فیصلہ تھا۔ الحمد للہ

مجھے یقین ہے اصل میں یہ کہنا چاہئے تھا کہ خدا کا فیض ہے صرف لیکن اس فیض کو بندوں میں دہرا لطف پیدا کرنے کی خاطر وہ دعاؤں کے ساتھ ملا دیا کرتا ہے اور تا کہ بندوں کو یہ بھی لطف آئے کہ ہمارا بھی ہاتھ لگا ہوا ہے۔ ان معنوں میں دعاؤں کا میں ممنون ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے محبت کرنے والے احباب جماعت کا ہاتھ بھی لگوا دیا ورنہ اصل میں تو ہر فیض اسی سے جاری ہوتا ہے اور اسی کے فیصلے کے مطابق جاری ہوتا ہے اور میں تمام احباب جماعت کا میں دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں یہ جتنے بھی خط ملتے ہیں میں خود بھی پڑھتا ہوں بڑے غور سے اور پھر بی بی کو بھی پہنچا دیتا ہوں وہ بھی پڑھتی ہیں اور ہر ایک کا پیغام ان تک براہ راست بھی پہنچ رہا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء